مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اسلام کو سمجھئے !

غیر مسلم بھائیوں کے درمیان اسلام کے تعارف کے لئے
ایک مختصر رسالہ، جس میں عقائد، معاشرت، اسلامی نظامِ معیشت،
انسان کے بارے میں اسلامی تصورات اور مسلم وغیر مسلم
تعلقات سے متعلق قرآن وحدیث کی تعلیمات کو واضح کیا گیا ہے۔

تالیف

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ناشر

المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد

طبع اول ۱۴۳۸ھ — ۲۰۱۷ء

کتاب	:	اسلام کو سمجھئے !
تالیف	:	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صفحات	:	۲۸
کمپیوٹر کتابت	:	محمد نصیر عالم سبیلی فون نمبر : 9959897621 91+
سرِ ورق	:	(العالم اُردو کمپیوٹرس ، کوتہ پیٹ ، بارکس ، حیدرآباد)
سن طباعت	:	شعبان ۱۴۳۸ھ، مئی ۲۰۱۷ء

ناشر

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

ملنے کے پتے

- المعہد العالی الاسلامی شاہین نگر، حیدرآباد
- ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس پرانی حویلی، حیدرآباد
- دکن ٹریڈرس، مغلپورہ / چارمینار، حیدرآباد
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، ضلع سہارنپور، یوپی

فہرست مضامین

● ● ●

ابتدائیہ

مؤرخہ: ۲۳-۲۴/ستمبر ۲۰۱۶ء کو مگدھ یونیورسٹی، بودھ گیا (بہار) میں انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز دہلی اور یونیورسٹی کے اشتراک سے ایک ہمہ مذہبی سیمینار منعقد ہوا، جس میں ہندو، آریہ سماجی، جین، بودھ، کرسچن اور چینی مذاہب کے نمائندے شریک ہوئے اور انھوں نے اپنے اپنے مذاہب کا تعارف کرانے کے ساتھ ساتھ مذاہب میں انسانی اقدار سے متعلق مشترکہ باتیں پیش کیں، اور بین مذاہب ہم آہنگی کی ضرورت واہمیت کو واضح کیا۔

انسٹی ٹیوٹ کے چیرمین محترم جناب ڈاکٹر منظور عالم صاحب نے اس حقیر سے التماس کیا کہ وہ اسلام کا تعارف کرائے، اسی مناسبت سے یہ تحریر مرتب کی گئی ہے، اس میں پانچ باتوں کا خیال رکھا گیا ہے:

(۱) گفتگو مختصر، آسان اور واضح ہو۔

(۲) ہر بات قرآن وحدیث اور اُسوۂ نبوی کی روشنی میں کہی جائے اور ان کے حوالے بھی ذکر کئے جائیں۔

(۳) اپنے نقطۂ نظر کو پیش کرنے کا اُسلوب معروضی ہو، دوسرے مذاہب پر ریمارک نہ ہو۔

(۴) تعارف کے ذیل میں مثبت انداز پر ان مسائل کی بھی وضاحت ہوجائے، جن کے بارے میں برادرانِ وطن کے درمیان غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔

(۵) اپنی بات کو پیش کرنے میں حسب ضرورت عقلی پہلو سے بھی مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے۔

خدا کرے یہ مختصر رسالہ برادرانِ وطن کو اسلام سے متعارف کرانے میں ممد ومعاون ثابت ہو، اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایسا ہوا تو ڈاکٹر صاحب اس کے اجر وثواب میں برابر کے شریک ہیں، اللہ ہم سب سے راضی ہوجائیں اور ہماری ٹوٹی پھوٹی کوششوں کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرمالیں۔

ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم۔

خالد سیف اللہ رحمانی　　۲/محرم ۱۴۳۸ھ

(بیت الحمد، قبا کالونی، شاہین نگر، حیدرآباد، تلنگانہ)　　۴/اکتوبر ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمان جس مذہب پر یقین رکھتے ہیں، اس کے دو نام ہیں: اسلام اور ایمان، اسی لحاظ سے مسلمانوں کے بھی دو نام ہیں: مسلم اور مؤمن، اسلام کے معنی اپنے آپ کو حوالہ کر دینے کے ہیں، یہ عربی گرامر کے لحاظ سے سِلم اور سَلام سے ماخوذ ہے، جس کے معنی صلح، سلامتی اور خود حوالگی کے ہیں، اسی سے مسلم ہے، یعنی ایسا شخص جو صلح کو پسند کرنے والا اور اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دینے والا ہو، ایمان 'امن' کے لفظ سے ماخوذ ہے، امن کے معنی ہیں: دوسرے کو امن دینا، یقین کرنا، اسی سے مؤمن ہے، مومن کے معنی ہوئے: امن دینے والا، یقین کرنے والا۔

غور کیجئے تو اسلام اور ایمان ان دونوں میں امن، سلامتی، صلح اور خدا کے احکام کے سامنے جھک جانے کے معنی پائے جاتے ہیں، یہی اسلام کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ہے، قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ اسلام کی ابتداء پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، پہلے انسان، پہلے مسلمان بھی تھے، تاریخ کے مختلف ادوار میں جتنے پیغمبر گذرے ہیں، وہ سب اپنے اپنے زمانے میں اسلام کی دعوت دینے والے تھے، اور جن لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی، وہ سب مسلمان تھے؛ کیوں کہ مسلمانوں میں وہ سب لوگ شامل ہیں، جو خدا کے احکام کے سامنے سر جھکا دیں، ایسا نہیں ہے کہ اسلام کی ابتدا محمد رسول اللہ ﷺ سے ہوئی ہے؛ اسی لئے محمد ﷺ نے مسلمانوں کے لئے اپنے نام کی نسبت سے کوئی نام منتخب نہیں فرمایا اور اپنے ماننے والوں کو 'محمدی' یا 'محمڈن' نہیں کہا؛ بلکہ انھیں 'مسلم' اور 'مؤمن' کا نام دیا گیا، جن کو ہندوستان میں عام طور پر مسلمان کہا جاتا ہے۔

خدا ایک ہے!

ہم جس کائنات میں رہتے ہیں، اس کو ہم نے پیدا نہیں کیا ہے؛ بلکہ ہم نے خود اپنے

آپ کو بھی نہیں بنایا ہے، کوئی طاقت ہے جس نے اس کائنات کو بھی پیدا کیا ہے اور ہمیں بھی، پھر غور کیجئے تو اس دنیا میں ساری چیزیں ایک توازن کے ساتھ پائی جاتی ہیں، انسان کو آکسیجن کی ضرورت ہے، آلودہ گیسیں انسان کے لئے نقصاندہ ہیں، مگر یہی گیسیں درختوں کی خوراک ہیں، وہ ان گیسوں کو صاف کر کے انسان کے لئے آکسیجن فراہم کرتے ہیں، ہر مقام کی ضرورت کے لحاظ سے بارش ہوتی ہے، ریگستانوں میں بارش کم ہوتی ہے، جنگلات میں زیادہ ہوتی ہے؛ کیوں کہ نباتات پانی کی زیادہ ضرورت ہے، مقررہ اوقات کے مطابق ہی دن ورات کی آمد ورفت ہوتی ہے، کائنات کے اُفق میں اربوں سیارے تھوڑی دیر کے لئے بھی رُکے بغیر گردش کر رہے ہیں؛ لیکن تیز رفتاری کے باوجود ان کے درمیان کبھی تصادم نہیں ہوتا، سورج اتنی حرارت خارج کرتا ہے کہ اگر وہ جوں کا توں زمین پر پہنچ جائے تو زمین جل کر بھسم ہو جائے؛ کیوں کہ ایک سکنڈ میں سورج جو حرارت خارج کرتا ہے، اس کی مقدار دس لاکھ ایٹم بم سے بھی زیادہ ہے، زمین کے چاروں طرف ہوا کا ایک ایسا غلاف تان دیا گیا ہے کہ وہ ان بے پناہ حرارتوں کو جذب کر لیتا ہے اور انسان کی ضرورت کے بقدر ہی زمین پر پہنچنے دیتا ہے، غرض کہ پوری کائنات ایک مربوط اور متوازن نظام کے ساتھ چل رہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی بالاتر ہستی ہے، جس نے کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہ مسلسل اس کا انتظام بھی کر رہی ہے، اسی ہستی کا نام خدا ہے اور وہ ایک ہی ہے، اگر کئی لوگ مل کر کائنات کا نظام چلاتے تو وہ ٹکراؤ سے بچ نہیں پاتے اور کائنات کے نظام میں اِس وقت جو یکسانیت ہے، وہ برقرار نہیں رہ پاتی؛ چنانچہ قرآن مجید نے خدا کی ہستی کا تعارف کراتے ہوئے کہا ہے:

> اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ زندہ ہے، سب کو تھامے ہوا ہے، نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ ہے، سب اسی کا ہے، کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش بھی کر سکے؟ جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے

اور جو کچھ لوگوں سے اوجھل ہے، اس کو سب کا علم ہے، اس کے
علم کے کسی گوشے پر بھی کوئی شخص حاوی نہیں ہوسکتا، سوائے
اس کے کہ خود وہی (کسی کو کوئی علم دینا) چاہے، آسمانوں کی
اور زمین کی بادشاہت اسی کے لئے ہے، ان کی نگہبانی اس کے لئے
تھکا دینے والا کام نہیں، وہی سب سے اوپر ہے اور وہی سب سے
بڑا ہے۔(۱)

اسلام میں خدا کے ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات بھی ایک ہے اور وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے، وہی پیدا کرتا ہے، وہی موت دیتا ہے، انسان اسی کے حکم سے بیمار پڑتا ہے اور اسی کے حکم سے شفا حاصل ہوتی ہے، وہی روزی دینے والا ہے، اسی کے حکم سے کسی کی روزی بڑھتی ہے اور کسی کی کم ہوتی ہے، یہ تصور انسان کو ایک تقدس عطا کرتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اس کی پیشانی صرف اللہ کے سامنے جھکنے کے لئے ہے، وہ مخلوقات کے خوف کے وہم سے آزاد ہوجاتا ہے، پھر یہ یقین اس کے اندر کائنات کے بارے میں تحقیق کا جذبہ پیدا کرتا ہے؛ کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ خدا نے یہ ساری چیزیں اس کی خدمت کے لئے پیدا کی ہیں، جب انسان کسی چیز کو اپنا خادم سمجھتا ہے تو اس کے بارے میں تحقیق اور جستجو سے کوئی جھجھک نہیں ہوتی، اور اگر وہ کسی چیز کو اپنا معبود سمجھ لے تو احترام کا تقاضہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی کھوج میں نہ پڑے۔

رسول اور کتاب

جو کسی چیز کا بنانے والا ہوتا ہے، وہی اس کے استعمال کے طریقے اور اس کے نفع ونقصان کے پہلوؤں سے بھی واقف ہوتا ہے، جب خدا نے اس کائنات کو بھی بنایا ہے اور انسان کو بھی، تو اس دنیا کی چیزوں کو اسے کس طرح استعمال کرنا چاہئے اور خود اس کو اپنی زندگی کس طور پر گذارنی چاہئے؟ اس کے لئے اسے خدا کی رہنمائی کی ضرورت ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے دو انتظام فرمایا، ایک یہ کہ ہر قوم میں اپنا پیغمبر بھیجا، دوسرے:

(۱)　البقرۃ:۲۵۵۔

پیغمبر کے ذریعے اپنی کتاب بھیجی، اور پیغمبر کو ذمہ داری دی گئی کہ وہ اللہ کے بندوں تک اللہ کی کتاب پہنچائیں، انھیں سمجھائیں اور خود اللہ کے احکام پر عمل کر کے لوگوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کریں؛ کیوں کہ کوئی حکم جب عمل کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے تو لوگوں کے لئے اس کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے، نیز ہر قوم میں ان ہی کی زبان کا بولنے والا پیغمبر بھیجا گیا اور اسی زبان میں خدا کی کتاب اُتاری گئی؛ چنانچہ قرآن مجید کہتا ہے :

وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِہٖ ۔ (۱)

اور ہم نے ہر قوم میں ان ہی کی زبان کا رسول بھیجا۔

یہ پیغمبر انسان ہی ہوا کرتے تھے، ان کو خدا کی طرح پیدا کرنے، مارنے، روزی دینے، روزی سے محروم کرنے، بیمار کرنے اور صحت دینے کا کوئی اختیار نہیں تھا، وہ بھی اپنی ضرورتوں کے لئے خدا ہی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے تھے؛ البتہ ان کو یہ بزرگی اور عظمت حاصل تھی کہ ان پر اللہ کا کلام اُترتا تھا اور اللہ نے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے ان کو چن لیا تھا؛ چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید نے کہلایا ہے :

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۔ (۲)

میں بھی تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں؛ البتہ میرے اوپر اللہ کا کلام اُتارا جاتا ہے۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا کہ رسول، اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی نہیں لا سکتا :

وَ مَا کَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ یَّاۡتِیَ بِاٰیَۃٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۔ (۳)

رسولوں کے بارے میں یہ بات فرمائی گئی کہ ان کا کام صرف اللہ کے پیغام کو اچھی طرح پہنچا دینا ہے :

مَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ ۔ (۴)

(۱) ابراہیم: ۴۔　(۲) الکہف: ۱۱۰۔

(۳) الرعد: ۳۸۔　(۴) المائدۃ: ۹۹۔

البتہ چوں کہ رسول، اللہ کے پیغمبر ہوتے ہیں اور انسان کو بتاتے ہیں کہ کن باتوں سے کائنات کا مالک خوش ہوتا ہے اور کن باتوں سے ناراض ہوتا ہے؛ اس لئے انسان پر یہ بات لازم ہے کہ وہ پیغمبر کی اطاعت کریں :

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ-(۱)

ہم نے کسی بھی رسول کو اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے۔

محمد رسول اللہ ﷺ

پیغمبروں کا یہ سلسلہ محمد رسول اللہ ﷺ پر مکمل ہوگیا، اب آپ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آسکتا، قرآن مجید نے اس بات کو صراحت کے ساتھ کہا ہے؛(۲) البتہ انسان کی رہنمائی کے لئے اللہ کی طرف سے دو خصوصی انتظام کیا گیا، ایک یہ کہ آپ پر اُترنے والی کتاب قرآن مجید مکمل طور پر محفوظ کردی گئی، قرآن مجید میں (۶۶۶۶) آیتیں ہیں جو بحیثیت مجموعی (۳۲۰۰۱۵) الفاظ پر مشتمل ہیں، ان میں آپ کے عہد سے لے کر آج تک کہیں ایک حرف کی کوئی تبدیلی نہیں آئی، ہر سال صرف ہندوستان میں قرآن مجید کے ایک کروڑ سے زیادہ نسخے چھپتے ہیں، دوسرے ممالک اس کے علاوہ ہیں، کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے گھر میں یہ کتاب موجود نہ ہو اور یہ کتاب ہر وقت ہر شخص کے لئے پہلے بھی دستیاب تھی اور بھی دستیاب ہے، ان نسخوں میں کہیں ایک نقطہ اور زبر زیر کا بھی فرق نہیں پایا جاتا —— دوسرے : محمد ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کی زندگی کے حالات کو اس طرح محفوظ کردیا گیا ہے کہ انسان بچپن سے لے کر بڑھاپے تک اور صبح سے لے کر رات تک زندگی کے ہر لمحہ اور ہر مرحلہ کے لئے آپ ﷺ کی زندگی سے روشنی حاصل کرسکتا ہے، دس ہزار سے زیادہ معتبر حدیثیں ہیں، جو ہمیں آپ ﷺ کی تعلیمات سے واقف کراتی ہیں؛ اس لئے اگرچہ پیغمبر کے آنے کا سلسلہ باقی نہیں رہا؛ لیکن انسان اِن ماٰخذ سے اپنی زندگی کے بارے میں خدا کی مرضی کو آسانی سے جان سکتا ہے۔

---

(۱)　النساء: ۶۴۔　　(۲)　الاحزاب: ۴۰۔

محمد ﷺ ۵۷۰ء میں پیدا ہوئے، ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا، ۶ سال تک اپنی والدہ اور ان کی وفات کے بعد نویں سال تک دادا کی پرورش میں رہے، پھر آپ ﷺ کے چچا نے نہایت محبت کے ساتھ آپ کی پرورش کی، اس یتیمی کی زندگی نے آپ کے اندر یتیموں اور کمزوروں کے بارے میں محبت اور رحم دلی کے بے پناہ جذبات پیدا کردیئے، آپ کی سچائی اور امانت داری کا اتنا شہرہ تھا، کہ لوگ آپ کو صادق (سچا) اور امین (امانت دار) کہہ کر پکارتے تھے، آپ کے اندر فطری طور پر بڑی حکمت وفراست بھی پائی جاتی تھی، نبی بنائے جانے سے پہلے کعبۃ اللہ کی ٹوٹی ہوئی عمارت کو دوبارہ تعمیر کرنے کے مرحلہ میں مختلف قبیلوں کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہوگیا اور اندیشہ پیدا ہوگیا کہ ایسی لڑائی چھڑ جائے گی کہ خون کی ندیاں بہنے لگیں گی ؛ لیکن سب لوگوں نے آپ کو حکم مان لیا اور آپ نے ایسا خوبصورت فیصلہ کیا کہ سارے لوگوں نے ہنسی خوشی قبول کرلیا۔

جب آپ ﷺ کی عمر ۴۰ رسال کی ہوئی تو آپ ﷺ پر اللہ کا کلام اُترنا شروع ہوا، اس اچانک پیش آنے والے واقعہ سے آپ گھبرا گئے، آپ فوراً اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور اپنی گھبراہٹ کا اظہار کیا، اس وقت آپ کی بیوی نے —— اور ظاہر ہے کہ بیوی سب سے زیادہ شوہر کے حال سے باخبر ہوتی ہے —— کہا :

> خدا کی قسم! اللہ ہرگز آپ کو رُسوا نہیں کرے گا ؛ کیوں کہ آپ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، ناداروں کا خیال کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور کسی اچھے کام کی وجہ سے انسان مصیبت میں پڑ جائے تو اس کی مدد کرتے ہیں۔(۱)

پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ اپنے پیغمبر ہونے کا اعلان فرمائیں تو مکہ کے قدیم طریقے کے مطابق آپ ﷺ نے صفا کی پہاڑی سے آواز لگائی، لوگ جمع ہوگئے،

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۳۔

آپ نے اپنی بات پیش کرنے سے پہلے لوگوں کے سامنے اپنی ذات کو پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارے درمیان ۴۰ رسال گزارے ہیں، تم نے مجھے سچا پایا یا جھوٹا؟ تمام لوگوں نے یک زبان ہوکر کہا: سچا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا کہ تم نے مجھے امانت دار پایا یا خیانت کرنے والا؟ تمام لوگوں کی زبان پر تھا: امانت دار، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید پوچھا: اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک فوج کھڑی ہے، جو تم پر حملہ کرنے والی ہے تو کیا تم اس کا یقین کروگے؟ لوگوں نے کہا: بظاہر ایسے حالات نہیں ہیں کہ کوئی گروہ ہم پر حملہ کرے؛ لیکن ہم نے کبھی آپ کو جھوٹ بولتے ہوئے یا بد دیانتی کرتے ہوئے نہیں دیکھا؛ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ آپ کہیں اور ہم اس کا یقین نہ کریں، اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں'' —— اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخلاق کے کس اعلیٰ معیار پر تھے، کہ جن لوگوں کے درمیان آپ نے بچپن سے لے کر جوانی تک کا پورا وقت گذارا، ان سے آپ کو اپنے بارے میں دریافت کرنے میں کوئی ڈر نہیں ہوا؛ اسی لئے جن لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا، وہ بھی اس بات کی ہمت نہیں کرسکے کہ آپ کے اخلاق وکردار پر انگلی اُٹھائیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا سب سے اہم پہلو رحم دلی اور امن وصلح اختیار کرنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ اس پر رحم نہیں کرتا، (۱) ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا: رحم کرنے والوں ہی پر خدائے مہربان بھی رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا، (۲) جو لوگ کمزور اور بے سہارا ہونے کی وجہ سے خصوصی مدد کے مستحق ہوتے ہیں، ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصی طور پر اچھے سلوک کا حکم دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یتیم کی محبت کے ساتھ پرورش کرے، وہ جنت میں میرے بہت قریب رہے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: جیسے یہ دو انگلیاں، (۳)

---

(۱) بخاری، کتاب التوحید، حدیث نمبر: ۷۳۔ (۲) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۲۴۔

(۳) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۱۵۲، مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۸۲۰۔

آپ ﷺ نے بوڑھوں کی توقیر اور بچوں کے ساتھ شفقت کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو ایسا نہ کرے، وہ ہمارا آدمی نہیں، (۱) عورتوں کے ساتھ خاص طور پر اچھے سلوک کی تلقین کی۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے کمزوروں اور پریشان حال لوگوں کی مدد کی اہمیت کو بتاتے ہوئے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بعض لوگوں سے پوچھیں گے: میں بیمار تھا، تم نے عیادت نہیں کی، میں بھوکا تھا، تم نے کھانا نہیں کھلایا، میرے کپڑے نہیں تھے، تم نے مجھے لباس نہیں پہنایا، بندہ پوچھے گا: اے اللہ! کیا آپ بیمار پڑ سکتے ہیں اور میں آپ کی عیادت کرسکتا ہوں؟ کیا میں آپ کو کھانا کھلاسکتا ہوں؟ کیا میں آپ کو کپڑے پہنا سکتا ہوں؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اگر تو فلاں بیمار کے پاس پہنچتا تو مجھے وہاں موجود پاتے، اگر تو فلاں بھوکے کے پاس پہنچتا تو مجھے وہاں موجود پاتا، اگر تو فلاں ننگے کے پاس جاتا تو مجھے وہاں موجود پاتا۔ (۲)

آپ ﷺ کی رحم دلی کا حال یہ تھا کہ مکہ میں ۱۳؍سال آپ ﷺ نے اور آپ پر ایمان لانے والوں نے نہایت تکلیف میں گزارے، مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، بعضوں کو ریت پر گھسیٹا گیا، بعضوں کو آگ کے انگارے پر لٹایا گیا، بعض مردوں اور عورتوں کو قتل کر دیا گیا، خود آپ کے گھر کی دہلیز پر کانٹے ڈالے جاتے، گھر کے اندر کچرا پھینک دیا جاتا، گلے میں اونٹ کی اوجھ کا پھندا ڈال کر مارنے کی کوشش کی گئی، قتل کا منصوبہ بنایا گیا؛ لیکن آپ ﷺ نے اس پورے عرصہ میں نہ کبھی ہاتھ اُٹھایا نہ اپنے ساتھیوں کو اس کی اجازت دی، پھر آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خالی ہاتھ مدینہ چلے گئے، مدینہ کے زیادہ تر لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی اور آپ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، آپ چاہتے تھے کہ اب یکسوئی کے ساتھ لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا جائے؛ لیکن اہل مکہ کو یہ بھی گوارہ نہیں ہوا، انھوں نے مسلمانوں کی اس چھوٹی سی بستی پر اگلے ہی سال حملہ کر دیا اور بدر کے میدان میں جو مدینہ سے ۸۰ میل پر واقع ہے، جنگ کی نوبت آ گئی، اللہ کی ایسی مدد ہوئی کہ دشمنوں کے بڑے بڑے ستر سردار مارے گئے اور ستر قید ہوئے، آپ نے قیدیوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا، یہاں تک کہ رہا کرتے ہوئے انھیں نئے جوڑے پہنا کر رُخصت کیا، اگلے ہی سال دوبارہ

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۱۹۔ (۲) مسلم عن ابی ہریرۃ، حدیث نمبر: ۲۵۶۹۔

مکہ والوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور یہ لڑائی بالکل مدینہ کی سرحد پر لڑی گئی، بہت سے مسلمان شہید ہوئے؛ لیکن اس حال میں بھی آپ حملہ کرنے والوں کے لئے دُعا ہی کرتے رہے، دوسال کے بعد پھر اہل مکہ نے مختلف قبیلوں کو اپنا اتحادی بنا کر مسلمانوں پر حملہ کیا، یہ اتنی بڑی اور جنگی وسائل سے مالا مال فوج تھی کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی، آپ ﷺ نے ایسی جنگی حکمت عملی اختیار کی کہ بالآخر دشمنوں کو واپس ہو جانا پڑا۔

یہ واقعہ مدینہ آنے کے پانچویں سال کا تھا، اس تابڑ توڑ حملہ کے باوجود اگلے سال آپ مسلمانوں کے ساتھ احرام کا لباس پہن کر مکہ کے لئے نکلے، جو امن اور جذبہ عبادت کی علامت سمجھا جاتا تھا اور عربوں کی روایت کے مطابق احرام باندھ کر آنے والے کسی شخص کو کعبہ کا طواف کرنے سے روکا نہیں جاتا تھا؛ لیکن پھر بھی اہل مکہ نے اجازت نہیں دی اور بالآخر آپ نے لڑائی سے بچتے ہوئے اہل مکہ کی شرطوں پر صلح کر لی اور واپس ہو گئے، اہل مکہ نے اس معاہدہ کا بھی لحاظ نہیں رکھا اور مسلمانوں کے حلیف قبیلہ کو — جو غیر مسلم ہی تھا — مکہ میں دوڑا دوڑا کر قتل کیا، پھر بھی آپ ﷺ نے لڑائی سے بچنے کے لئے ان سے کہا کہ وہ ان کا خوں بہا ادا کر دیں، مگر انھوں نے اسے بھی قبول نہیں کیا اور کہا کہ ہمیں جنگ کرنی ہے؛ چنانچہ جس قبیلہ پر ظلم کیا گیا تھا، اس کے اصرار پر مجبور ہو کر مکہ سے ہجرت کے آٹھویں سال آپ اپنے دس ہزار ساتھیوں کو لے کر پھر مکہ روانہ ہوئے اور ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے؛ چنانچہ اہل مکہ نے بغیر کسی لڑائی کے ہتھیار ڈال دیا، اس وقت وہ تمام دشمن آپ کے سامنے کھڑے تھے، جنھوں نے آپ پر پتھر پھینکا تھا، آپ ﷺ کی بیٹی کو طلاق دلوائی تھی، قتل کا منصوبہ بنایا تھا، مسلمانوں کو ناقابل برداشت ایذاء پہنچائی تھی، مکہ چھوڑ دینے کے باوجود مدینہ پر بار بار حملہ کیا تھا؛ لیکن آپ نے نہ صرف یہ کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی؛ بلکہ ان کو ان کے جرائم کی یاد دلا کر شرمندہ بھی نہیں کیا، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

أنتم الطلقاء لا تثريب عليكم اليوم۔ (۱)

آج تم سب آزاد ہو تم پر کوئی پکڑ نہیں۔

---

(۱) النسائی فی سنن الکبریٰ، حدیث نمبر: ۱۸۲۷۶۔

امن و آشتی کو قائم رکھنے کے لئے آپ ﷺ نے ہمیشہ اسی بات کی تعلیم دی کہ کوئی مسلمان دوسرے کے لئے تکلیف کا سبب نہ بنے، آپ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے بہتر مسلمان کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

من سلم الناس من لسانه ويده ۔(۱)

وہ شخص کہ جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ سب سے اچھا مسلمان وہ ہے کہ جس کے شر سے لوگ امن میں رہیں، زیادہ تر پڑوسیوں کے درمیان لڑائی جھگڑے کی نوبت آتی ہے؛ اس لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من كان يؤمن بالله فلا يؤذي جاره ۔(۱)

جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو، وہ پڑوسی کو نہ ستائے۔

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا اللہ پر ایمان ہو، اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔(۳)

غرض کہ آپ ﷺ کی پوری زندگی کا خلاصہ اللہ کے بندوں کو اللہ سے جوڑنا، لوگوں کو امن و آشتی کی طرف بلانا، شرم و حیا کی دعوت دینا اور اخلاق کی اصلاح کرنا تھا۔

آخرت

اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ آخرت کا یقین ہے، یعنی اس بات کا یقین کہ ایک ایسا وقت آئے گا، جب خدا کے حکم سے یہ کائنات ختم کر دی جائے گی، تمام انسان زندہ کئے جائیں گے، انھوں نے دنیا میں جو اچھے کام کئے تھے، ان کو اس کا بہترین انعام دیا جائے گا، وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے، اور انسان نے جو گناہ کئے تھے، انھیں اس کی سخت سزا ملے گی اور وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

---

(۱) الإحسان فی تقریب صحیح بن حبان، حدیث نمبر: ۴۸۶۲۔

(۲) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۵۱۸۵۔ (۳) بخاری، حدیث نمبر: ۶۰۱۹۔

حقیقت یہ ہے کہ آخرت کا یقین عقل وفطرت کے عین مطابق ہے، دنیا میں انسان بہت سے اچھے کام کرتا ہے؛ لیکن اس کو اس کی جزا نہیں ملتی ؛ بلکہ بعض دفعہ وہ دکھ بھری زندگی گزار کر دنیا سے چلا جاتا ہے، اس کے برخلاف کچھ لوگ ظلم وزیادتی کرتے ہیں؛ لیکن دنیا میں ان کو سزا نہیں مل پاتی ہے؛ اس لئے عقل اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ کوئی ایسی جگہ ہونی چاہئے، جہاں نیکی کرنے والوں کو انعام اور گناہ اور زیادتی کرنے والوں کو سزا ملے، اسی کا نام آخرت ہے، وہاں خاندان، رنگ ونسل اور علاقۂ وزبان کی وجہ سے نہیں ؛ بلکہ انسان کے عمل اور کردار کی وجہ سے جزا اور سزا کا فیصلہ ہوگا۔

آخرت کا یقین ایک انقلابی عقیدہ ہے، اس کی وجہ سے انسان کی سوچ بدل جاتی ہے، انسان اس وقت بھی نیکی کے کام کرنے پر آمادہ ہوتا ہے، جب کوئی تعریف کرنے والا اور انعام دینے والا نہ ہو اور اس وقت بھی برائی اور ظلم سے باز رہتا ہے، جب کوئی دیکھنے والی آنکھ اور ٹوکنے والی زبان نہیں ہو، مثال کے طور پر اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ شراب انسان کی صحت کے لئے بھی نقصاندہ ہے اور اخلاق کے لئے بھی ؛ لیکن امریکہ جیسے ملک میں تمام ترغیبی اور قانونی وسائل کے استعمال کے باوجود یہ بات ممکن نہ ہوسکی کہ لوگوں کو شراب سے روک دیا جائے، خود ہمارے ملک میں کئی ریاستوں میں شراب بندی کی کوشش کی گئی اور اس کے لئے سخت سے سخت قوانین بنائے گئے ؛ لیکن پھر بھی مکمل طور پر اسے روکنا ممکن نہ ہوسکا، عرب کے لوگ شراب کے رسیا تھے، ان کی کوئی محفل شراب سے خالی نہیں ہوتی تھی ؛ لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے لوگوں کے ذہن میں آخرت کا یقین پیدا کیا، پھر جب شراب کے حرام ہونے کا اعلان ہوا تو جن کے ہونٹوں تک شراب پہنچ چکی تھی، انھوں نے اس کو حلق تک نہیں پہنچایا، شراب کے مٹکے توڑ دیئے اور مدینے کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔

اسی طرح سودی کاروبار عربوں میں عام تھا، وہ اسے ایک تجارت سمجھتے تھے ؛ لیکن جب اسلام نے اس کو منع کیا ؛ کیوں کہ اس میں غریبوں کا استحصال ہے، تو ایک لخت لوگوں نے اس حکم کو قبول کرلیا اور جو سود پہلے سے لوگوں کے ذمہ باقی تھا، اس سے بھی باز آ گئے —— یہ اسی عقیدہ کا

نتیجہ تھا، یہ عقیدہ انسان کی فکر کو بدلتا ہے، اس سے انسان میں یہ سوچ پیدا ہوتی ہے کہ ہر کام کو مادی نفع ونقصان کی ترازو میں نہ تولا جائے؛ بلکہ وہ بہت سے کاموں کو خدا کی خوشنودی اور خلق خدا کی بھلائی کے لئے انجام دے۔

انسان کے بارے میں!

انسان کے بارے میں اسلام نے دو بنیادی تصورات پیش کئے ہیں، ایک یہ کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، ایسا نہیں ہے کہ پیدائشی طور پر ان میں کوئی بڑا اور کوئی چھوٹا ہو؛ چنانچہ قرآن مجید نے کہا ہے :

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ـ(۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا ہے، اسی سے ان کا جوڑا بنایا ہے اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت بنادیئے ہیں۔

خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تمام تعلیمات کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے فرمایا :

إن ربكم واحد و إن أباكم واحد ـ(۲)

تمہارا خدا بھی ایک ہے اور تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو۔

یعنی اللہ کی توحید اور انسانی وحدت —— اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انقلابی تصور عطا فرمایا کہ جو باتیں اتفاقی طور پر پیش آتی ہیں، جس میں اس کے اپنے ارادہ وعمل کا دخل نہیں ہوتا، جیسے کسی خاص خاندان میں پیدا ہونا، سفید فام یا سیاہ فام ہونا وغیرہ، تو اس کی وجہ سے کسی شخص کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں ہوسکتی، انسان اپنے عمل و کردار کی وجہ سے بہتر ہوتا ہے؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں فرمایا :

---

(۱) النساء:۱۔　(۲) مسند احمد، حدیث نمبر:۲۳۴۸۹۔

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ، ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود علی أحمر إلا بالتقوی ۔(۱)

کسی عربی کو غیر عربی پر اور غیر عرب کو عربی پر، نیز کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر (نسل و رنگ کی وجہ سے) کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، ہاں، تقویٰ سے فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا بنیادی تصور ہے کہ تمام انسان بحیثیت انسان قابل احترام ہیں؛ چنانچہ قرآن مجید کہتا ہے :

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ ۔(۲)

ہم نے انسان کو معزز بنایا ہے۔

انسان کے تخلیقی ڈھانچے کے بارے میں فرمایا گیا :

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۔(۳)

ہم نے انسان کو بہترین قالب میں پیدا کیا ہے۔

آپ ﷺ کے سامنے سے ایک یہودی کا جنازہ گزرا، آپ ﷺ اس کے احترام میں کھڑے ہوگئے ، (۴) عورتیں اپنے بالوں کو بڑا ظاہر کرنے کے لئے اپنے بال کے ساتھ دوسروں کے بال ملایا کرتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا؛ (۵) کیوں کہ انسان کے کسی جزء کو دوسرا انسان اپنے لئے استعمال کرے، یہ انسان کی عظمت وحرمت کے مغائر ہے۔

غیر مسلم بھائیوں کے متعلق

قرآن مجید نے جو اس بات پر زور دیا ہے کہ ''تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں'' اس سے انسانی اُخوت کا رشتہ واضح ہوتا ہے، جیسے ایک رشتہ خاندانی اُخوت و بھائی چارے کا ہے،

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۳۴۸۹۔ (۲) بنی اسرائیل: ۷۰۔ (۳) التین: ۴۔
(۴) مسلم، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۹۶۱۔ (۵) ترمذی، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۱۷۵۹۔

اسی طرح بھائی چارے کا ایک وسیع تر رشتہ وہ ہے، جو پوری انسانیت کو ایک لڑی میں پروتا ہے؛ اس لئے مسلمان ہوں یا غیر مسلم، وہ بحیثیت انسان بھائی بھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے :

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۔(۱)

جو لوگ تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کرتے اور نہ انھوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے، اللہ تعالیٰ تم کو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور انصاف برتنے سے نہیں روکتے ، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

یہ آیت اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ جو غیر مسلم مسلمانوں سے برسر پیکار نہ ہوں، ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہئے ،مسلمانوں کے بعض غیر مسلم رشتہ دار مسلمان ہونے کو تیار نہیں تھے، مسلمان رشتہ دار پہلے سے ان کی کفالت کیا کرتے تھے، انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کی بنیاد پر ان کی مالی مدد کرنا چھوڑ دیا، قرآن مجید نے اس بات سے منع کیا کہ وہ کسی رشتہ دار کے مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چھوڑ دیں، اس سلسلہ یہ آیت نازل ہوئی :

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۔(۲)

ان لوگوں کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں، اللہ جسے چاہتے ہیں،

---

(۱) الممتحنة:۸۔　(۲) البقرة:۲۷۲۔

ہدایت دیتے ہیں، اور تم جو کچھ مال خرچ کرتے ہو، وہ اپنے ہی لئے،
اور خرچ نہیں کرتے ہو مگر اللہ کی خوشنودی کی تلاش میں، اور جو بھی
خرچ کرو گے تم کو پورا پورا دیا جائے گا، (یعنی اس کا پورا اجر ملے گا)
اور تم پر ظلم نہیں ہوگا۔

آپ ﷺ نے خود اپنے عمل سے اس حسن سلوک کی مثال پیش فرمائی، مکہ کے لوگوں نے آپ ﷺ پر اور آپ کے ساتھیوں پر کتنے مظالم ڈھائے؛ لیکن جب مکہ میں قحط پڑا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے ریلیف جمع کی اور پانچ سو دینار ان کی مدد کے لئے بھیجے، (۱) بیس دینار ساڑھے ستاسی گرام سونا ہوتا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتنی بڑی رقم تھی؛ حالاں کہ مسلمان خود اس وقت فقر و فاقہ سے گذر رہے تھے۔

آپ ﷺ نے غیر مسلم بھائیوں کے بارے میں ایک اُصولی بات فرمائی کہ جیسے ہم اپنے خون کو قابل احترام سمجھتے ہیں، اسی طرح ہمیں ان کی زندگی کا بھی احترام کرنا چاہئے، اور جیسے ہمارے مال کی حرمت ہے، اسی طرح ان کا مال بھی قابل احترام ہے :

دماءهم كدمائنا و أموالهم كأموالنا ۔ (۲)

قرآن نے کسی بھی نفس انسانی کے قتل ناحق کو حرام قرار دیا ہے، (۳) اور ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل کہا ہے، (۴) جو غیر مسلم بھائی حملہ آور نہ ہو؛ بلکہ پُر امن طور پر مسلمانوں کے ساتھ رہتا ہو، پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس کو قتل کرے گا، وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا، (۵) یا جو اُن کے مال میں سے لے لے گا، یا ان کے ساتھ حق تلفی کرے گا، قیامت کے دن میں اس کی طرف سے فریق بن کر کھڑا ہوں گا، (۶) اسی طرح اسلام کی نظر میں کوئی مسلمان بہن ہو یا غیر مسلم بہن، دونوں کی عزت و آبرو برابر ہے۔

---

(۱) السیر الکبیر: ۱/۹۶۔
(۲) نصب الرایہ: ۴/۳۶۹۔
(۳) بنی اسرائیل: ۳۳۔
(۴) المائدۃ: ۳۲۔
(۵) بخاری، حدیث نمبر: ۳۰۔
(۶) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۰۵۳۔

اسلام نے غیر مسلم بھائیوں کے مذہبی جذبات کا بھی لحاظ رکھنے کا حکم دیا اور کہا کہ وہ جن دیویوں دیوتاؤں کو پوجتے ہیں تم ان کو برا بھلا نہ کہو، (۱) قرآن نے کسی کی عبادت گاہ کو منہدم کرنے کی مذمت کی ہے، چاہے وہ مسلمانوں کی ہو یا کسی غیر مسلم گروہ کی، (۲) قرآن نے ہدایت دی کہ جہاں معاملہ انصاف کا ہو تو اس میں کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہئے، اگر کوئی گروہ تمہارا مخالف ہو، تمہاری نظر میں ان کا طور وطریق اچھا نہ ہو، یا ان کی سوچ غلط ہو، پھر بھی تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ تم ان کے ساتھ ناانصافی کا معاملہ کرو۔ (۳)

خواتین اور اسلام

اسلام کا مزاج یہ ہے کہ سماج میں جو جتنا زیادہ کمزور ہے، وہ اتنا ہی زیادہ قابل توجہ ہے؛ اسی لئے عورتوں کے سلسلے میں خصوصی لحاظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، عورتوں کو منحوس سمجھا جاتا تھا، پیغمبر اسلام ﷺ نے اس کی نفی فرمائی، اسلام کی نظر میں منحوس صرف انسان کا عمل ہوتا ہے، وہ عمل جو گناہ اور ظلم پر مبنی ہو، باقی نہ کوئی مخلوق منحوس ہوتی ہے نہ کوئی انسان، نہ کوئی وقت اور نہ کوئی مکان، یہ بات چلی آرہی تھی کہ چوں کہ جنت میں حضرت حوا علیہا السلام نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی؛ اس لئے عورت گناہ کا دروازہ ہے، قرآن نے عورتوں کی پوزیشن کو صاف کرتے ہوئے کہا کہ اصل قصور شیطان کا تھا، جس نے آدم وحوا دونوں کو بہکا دیا تھا، (۴) لیکن مرد ہونے کی حیثیت سے حضرت آدم علیہ السلام پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے؛ اس لئے اس چوک کی نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کی گئی: ''وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی''۔ (۵)

بنیادی انسانی حقوق کے بارے میں قرآن نے واضح کردیا کہ اس میں مرد وعورت دونوں برابر ہیں:

لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ۔ (۶)

جتنا حق مردوں کا ہے، اتنا ہی عورتوں کا ہے۔

---

(۱) الانعام: ۱۰۸۔　(۲) الحج: ۴۰۔　(۳) المائدۃ: ۸۔

(۴) البقرۃ: ۳۶۔　(۵) طٰہٰ: ۱۲۱۔　(۶) البقرۃ: ۲۲۸۔

عورت کو حق دیا گیا کہ وہ خود اپنی رضامندی سے اپنا نکاح کرسکتی ہے،(۱) اسے یہ بھی حق دیا گیا کہ اگر رشتہ کا نباہ دشوار ہوجائے تو وہ شوہر سے علاحدگی حاصل کرسکتی ہے، بیوہ اور طلاق شدہ عورتوں کے نکاح کی ترغیب دی گئی، (۲) اس کو بہت سی ذمہ داریوں سے فارغ رکھا گیا؛ چنانچہ والدین اور بچوں کی کفالت کی ذمہ داری مردوں پر رکھی گئی اور عورت کی معاشی ذمہ داریاں بھی باپ اور شوہر پر رکھی گئیں؛ تاکہ وہ کسب معاش پر مجبور نہ ہو، اس کو اپنی جائداد میں تصرف کا پورا پورا حق دیا گیا، نہ اس کا باپ بلا اجازت اس کے مال میں تصرف کرسکتا ہے نہ شوہر اور نہ بیٹا۔

اسے مردوں سے بڑھ کر عزت دی گئی، آپ ﷺ نے باپ کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت کا دروازہ ہے، (۳) اور ماں کے بارے میں کہا کہ اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے، (۴) بیوی کے بارے میں فرمایا گیا: کہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہوں، اور سب سے بہتر اخلاق والا وہ ہے، جس کا اپنی بیوی کے ساتھ سلوک اچھا ہو، (۵) نیز بیوی کو گھر کی مالکہ قرار دیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: عورت اپنے شوہر کے گھر کی انچارج ہے: ''المرأة راعية على بيت زوجها'' (۶) آپ ﷺ نے بیٹی کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص کی ایک یا دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں ہوں اور وہ بیٹوں کے مقابلے میں اس کو کمتر سمجھے بغیر اس کی پرورش کرے، وہ اور مَیں جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے: یہ دو انگلیاں، (۷) بیٹوں کی پرورش پر آپ ﷺ نے یہ فضیلت بیان نہیں فرمائی، اسلام کی ان تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ یا تو اسلام سے پہلے لوگ بیٹیوں کو دفن کردیتے تھے، یا پھر یہ ہوا کہ اگر کوئی لڑکی سرپرست سے محروم ہوجاتی تو کئی لوگ اپنا مقدمہ پیش کرتے کہ ہمیں اس کی پرورش اور کفالت کا حق دیا جائے — پیغمبر اسلام ﷺ کو خواتین کا اس درجہ لحاظ تھا کہ وفات سے پہلے بالکل آخر آخر میں آپ نے جو نصیحتیں فرمائیں، ان میں ایک یہ تھی کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔(۸)

---

(۱) البقرۃ: ۲۳۲۔　(۲) النور: ۳۴۔
(۳) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۰۰۔　(۴) سنن نسائی، حدیث نمبر: ۳۱۰۴۔
(۵) ترمذی، حدیث نمبر: ۳۸۹۵۔　(۶) بخاری، حدیث نمبر: ۵۲۰۰۔
(۷) ترمذی، ابواب البر والصلۃ، حدیث نمبر: ۱۹۱۴۔　(۸) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۱۶۳۔

عبادات اور ان کا مقصد

اسلام میں عبادت ان افعال کو کہتے ہیں، جن کو انسان خدا سے اپنے تعلق کے اظہار کے لئے انجام دیتا ہے؛ چنانچہ چار عبادتوں کو اسلام میں خصوصی حیثیت حاصل ہے: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نماز دن و رات میں پانچ دفعہ پڑھنا فرض ہے، سال میں ایک ماہ روزہ رکھنا فرض قرار دیا گیا ہے، سال میں ایک بار زکوٰۃ واجب قرار دی گئی ہے، جو مختلف مالوں میں ڈھائی فیصد سے بیس فیصد تک نکالی جاتی ہے اور غریبوں پر خرچ کی جاتی ہے، حج زندگی میں ایک بار فرض ہے، جس کے لئے پوری دنیا کے مسلمان مکہ میں جمع ہوتے ہیں۔

ان عبادتوں میں تین باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے :

(۱) انسان کے اندر اپنی بندگی اور اللہ کی غلامی کا احساس باقی رہے، وہ سمجھے کہ وہ بڑا نہیں ہے، اللہ کی بڑائی اس کے ذہن میں راسخ ہو؛ اسی لئے نماز میں بار بار 'اللہ اکبر' کہا جاتا ہے کہ اللہ ہی سب سے بڑے ہیں، بار بار اللہ کی تعریف کی جاتی ہے، اپنی کمتری کا اعتراف کیا جاتا ہے، یہ بات انسان کو تکبر اور بڑائی کے احساس اور دوسروں کو حقیر سمجھنے سے باز رکھتی ہے۔

(۲) ان عبادتوں کا دوسرا مقصد انسان کی تربیت ہے، مثلاً ایک مہینہ ہر مسلمان اس طرح روزہ رکھتا ہے کہ موسم کتنا بھی سخت ہو، وہ بھوکا پیاسا رہتا ہے، صبح سے شام تک کھانے کا کوئی لقمہ اور پانی کا کوئی قطرہ اس کے حلق سے نیچے نہیں جاتا، حج کرتے ہوئے ہفتہ دس دن اس طرح گزرتا ہے کہ وہ صرف دو چادریں لپیٹے ہوئے رہتا ہے، نہ خوشبو لگاتا ہے، نہ زیب و زینت کی کوئی اور چیز استعمال کرتا ہے، اس طرح انسان میں یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو اپنے کنٹرول میں رکھے؛ کیوں کہ دنیا میں سارے فساد کی جڑ یہی ہے کہ آدمی اَن کنٹرول ہو جاتا ہے اور اپنی ہر خواہش کو پوری کرنا چاہتا ہے، چاہے جائز ہو یا ناجائز، اور چاہے اس کی وجہ سے دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہو۔

(۳) تیسرا پہلو یہ ہے کہ عبادتوں کے ذریعہ سماج کے غریب لوگوں کی دشواریوں کا احساس دلایا جاتا ہے، جیسے جب کوئی شخص روزہ رکھتا ہے اور خود اپنے اختیار سے بھوک اور پیاس

کو برداشت کرتا ہے تو اس وقت اسے اپنے غریب بھائیوں کی دشواریوں اور پریشانیوں کا احساس ہوتا ہے؛ اسی لئے رمضان المبارک کے روزوں کے ساتھ صدقۃ الفطر واجب قرار دیا گیا، جس کے ذریعہ غریبوں کی مدد کی جاتی ہے، ہر صاحب ثروت شخص پر زکوٰۃ نکالنا واجب قرار دیا گیا، جو غریبوں پر خرچ کی جاتی ہے۔

یہی اسلام کی تمام عبادتوں کی روح ہے، اسلام میں دو تہوار ہیں، ایک: عید، دوسرے: بقرعید، مسلمان اس دن میدان میں نکل کر خدا کے سامنے اپنی پیشانی جھکا دیتے ہیں، نہ شور ہوتا ہے نہ ہنگامہ، نہ گانا نہ بجانا؛ بلکہ زبان پر صرف اللہ کا نام ہوتا ہے۔

معاشرت کا اسلامی تصور

اسلام نے سماجی زندگی کا ایک مکمل نظام دیا ہے، والدین اور اولاد، شوہر اور بیوی، بھائی بہن اور رشتہ دار، پڑوس اور ہم سایہ کے حقوق مقرر کئے ہیں —— ان قوانین کی بنیاد دو باتوں پر ہے: عدل اور احسان۔

عدل سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنا حق لے لے اور دوسروں کو اس کا حق دے دے، دوسروں کو ان کے حق سے محروم کرنے یا ان کے حق سے کم دینے کی کوشش نہ کرے، قرآن مجید میں ۹۰ بار عدل کا حکم دیا گیا، عدل کے مقابلہ میں ظلم ہے، ظلم سے مراد ہے دوسروں کو ان کے حق سے محروم کر دینا، یا ان کو ان کے حق سے کم دینا ہے، قرآن مجید میں ظلم کی جتنی مذمت کی گئی ہے کم ہی کسی اور گناہ کی اس قدر مذمت کی گئی ہے، قرآن مجید نے کم سے کم ۸۶ بار ظلم کی مذمت کی ہے، یا اس سے منع کیا ہے۔(۱)

احسان یہ ہے کہ انسان اپنے حق سے کم لے یا اپنا حق چھوڑ دے، اور دوسروں کو اس کے حق سے زیادہ دیدے اور ایثار سے کام لے، قرآن نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں: ''وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'' (۲) پیغمبر اسلام ﷺ کا عمل احسان ہی پر تھا، آپ ﷺ جب قرض دینے والے کا قرض واپس کرتے تو اس کو بڑھ کر دیتے،

---

(۱) الشوریٰ: ۴۰۔ (۲) آل عمران: ۱۳۴۔

دشمنوں کی غلطیاں معاف کردیتے، مکہ مکرمہ میں آپ کے دو گھر تھے، ایک: آپ کا آبائی گھر، اور دوسرا: آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ کا گھر؛ لیکن جب فتح مکہ کے موقع سے آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اپنا گھر واپس نہیں لیا؛ بلکہ جو لوگ اس پر قابض ہو گئے تھے، ان ہی کے لئے چھوڑ دیا، آپ کی پوری زندگی اسی اُصول پر قائم تھی اور یہی مسلمانوں کے لئے زندگی گزارنے کا معیاری طریقہ ہے۔

معیشت کے بارے میں اسلامی تصور

انسان کی ایک اہم ضرورت معیشت بھی ہے، اس لئے اگر جائز حدود میں مال کمانے کی کوشش کی جائے تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے، قرآن مجید نے کسب معاش کے لئے جدو جہد کا حکم دیا ہے، (۱) قرآن نے مال کو خیر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، (۲) جس کے معنی 'بہت اچھی چیز' کے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرض نماز کے بعد سب سے بڑا فریضہ کسب حلال ہے، (۳) لیکن معاشی تگ و دو اور کسب معاش کی جدو جہد کے لئے آپ ﷺ نے کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں، ان میں سے تین باتیں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں :

(۱) زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کے لئے کسی کا استحصال نہ کیا جائے، جیسے ایک ضرورت مند شخص قرض کا طلب گار ہو، اور دوسرے شخص کے پاس پیسے ہوں، اور وہ اس کی مجبوری کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے قرض دے کر اس سے سود وصول کرے، یہ ایک غریب شخص کی مجبوری کا فائدہ اُٹھانا ہے، یا ایک شخص کو فوری طور پر کسی خاص دوا کی ضرورت ہو، جس کی قیمت مارکٹ میں چار سے پانچ سو روپے ہو؛ لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ دوا کی اور دُکانیں بند ہیں، اور یہ ہم سے دوا خریدنے پر مجبور ہے، اس کی قیمت چار سے پانچ ہزار وصول کر لی جائے، اس کو اسلامی قانون کی اصطلاح میں 'غبن فاحش' کہا جاتا ہے، یہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ غریبوں کا استحصال ہے۔

---

(۱) الجمعۃ:۱۰۔　(۲) العادیات:۸۔

(۳) سنن الکبریٰ للبیہقی، حدیث نمبر:۱۱۶۹۵۔

(۲) دوسرے: اسلام کا معاشی نظام دولت کی زیادہ سے زیادہ تقسیم پر مبنی ہے، وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ قوم کی پوری دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر آجائے، (۱) اس لئے اسلام نے کہا کہ کاروبار کی بنیاد سود کے بجائے پارٹنروں میں نفع کی تقسیم پر ہو — اسی طرح میراث کی تقسیم کا ایک وسیع نظام مقرر کیا گیا ہے، جس کے تحت انسان کے مرنے کے بعد اس کی دولت ماں باپ، شوہر و بیوی، بیٹوں اور بیٹیوں اور بعض حالات میں دوسرے رشتہ داروں کے درمیان تقسیم ہو جاتی ہے۔

(۳) اسلام نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ انسان دولت کے کمانے میں اخلاقی اقدار سے آزاد نہ ہو جائے، جیسے پیغمبر اسلام ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ مارکٹ میں کسی چیز کی ضرورت ہو اور کچھ تاجرین اس کا ذخیرہ اپنے پاس روک لیں؛ تاکہ وہ چیز مہنگی ہو جائے: کیوں کہ یہ تقاضۂ اخلاق کے خلاف ہے کہ انسان خود زیادہ نفع حاصل کرنے کے لئے سماج کو دشواری اور تنگی میں مبتلا کر دے، پیغمبر اسلام ﷺ نے ایسی حرکت کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (۲)

اسی طرح اسلام میں اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ کوئی شخص شراب فروخت کرے، یا لڑنے جھگڑنے والوں کے ہاتھ ہتھیار بیچے؛ کیوں کہ یہ عام لوگوں کو نقصان پہنچانے والی چیزیں ہیں؛ چنانچہ آج ازدواجی اور خاندانی زندگی میں بہت سے تکلیف دہ واقعات شراب نوشی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، اور آج دنیا میں جو جنگیں ہو رہی ہیں، وہ اصل میں ان ملکوں کی وجہ ہیں، جن کی معیشت کا سب سے بڑا ذریعہ ہتھیار کا بنانا اور بیچنا ہے۔

جانوروں کے ساتھ رحم دلی

اسلام نے جس طرح انسانوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، اسی طرح جانوروں کے ساتھ بھی بہتر سلوک کا حکم دیا ہے، اسلام نے جانور سے صحیح طریقے پر فائدہ اُٹھانے کی اجازت دی ہے، جانور کے منھ پر مارنے سے منع کیا گیا ہے، (۳) لوگ جانوروں کو باہم لڑاتے

---

(۱) الحشر: ۸۔　　(۲) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۱۵۳۔

(۳) مسلم، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۲۱۱۶۔

اور اس کا تماشہ دیکھتے تھے، آپ نے اس درندگی سے منع فرمادیا، (۱) پیغمبر اسلام ﷺ نے جانور کو اسٹیج کے طور پر استعمال کرنے سے بھی منع فرمایا، (۲) آپ ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن ایک عورت محض اس لئے دوزخ میں ڈالی جائے گی کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا، اسے اس کا موقع نہیں دیا گیا کہ وہ خود کھائے اور چر کر اپنی ضرورت پوری کرے، (۳) اور ایک شخص اس بنا پر جنت میں داخل کیا جائے گا کہ اس نے ایک پیاسے کتے کی پیاس دُور کی ہوگی اور اسے پانی پلایا ہوگا۔ (۴)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کی لگائی ہوئی کھیتیوں میں سے چرندو پرند جو کھالیں، اس پر بھی صدقہ کا ثواب ہے، (۵) اسلام نے گوشت خوری کی اجازت ضرور دی ہے؛ لیکن بلا وجہ جانوروں کو مارنے کے درپے ہونا درست نہیں ہے، کسی صاحب نے ایک گوریا کی طرح کا پرندہ پکڑ رکھا تھا اور اس کی ماں بے قرار تھی، آپ ﷺ نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا، (۶) آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلا ضرورت اس کو ذبح کرنے پر بھی جواب دہی ہے؛ (۷) اسی لئے جو چیزیں انسان کے کام نہیں آتیں، آپ ﷺ نے ان کو مارنے سے منع فرمایا، چیونٹی، شہد کی مکھی اور ھُدھُد وغیرہ کے مارنے کی آپ ﷺ نے صراحتاً ممانعت فرمائی، (۸) کسی ذی روح کے جلانے کو آپ ﷺ نے شدت سے روکا ہے، ایک دفعہ لوگوں نے ایسی جگہ چولھا سلگایا جہاں چیونٹی کے بِل تھے، آپ ﷺ نے چولھا بُجھانے کا حکم دیا۔ (۹)

دین میں کوئی جبر نہیں

اسلام کا عقیدہ ہے کہ خدا کو ایک ماننے اور اس کے احکام کو قبول کرنے میں دنیا کی بھی

(۱) ترمذی، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۲۵۶۴۔　(۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۵۶۶۷۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۲۳۶۵۔　(۴) بخاری، حدیث نمبر: ۲۳۶۳۔
(۵) بخاری، حدیث نمبر: ۲۳۲۰۔　(۶) ابوداؤد، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۲۶۷۷۔
(۷) نسائی، کتاب الصید، حدیث نمبر: ۴۳۶۹۔　(۸) ابوداؤد، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۲۶۷۔
(۹) مسند احمد، حدیث نمبر: ۳۷۶۳۔

بھلائی ہے اور آخرت کی بھی نجات ہے، اور مسلمانوں کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنے لئے جو پسند کرے، وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرے؛ اس لئے وہ اس بات کو ضروری سمجھتا ہے کہ دوسرے انسانی بھائیوں کے سامنے کامیابی اور نجات کے اس راستہ کو پیش کرے اور انھیں اسلام کی طرف آنے کی دعوت دے؛ لیکن کسی مسلمان کے لئے خواہ وہ حکمراں ہو یا ملک کا عام شہری، اور خواہ مسلم اکثریت ملک ہو یا مسلم اقلیت ملک، اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ زبردستی دوسرے کا مذہب تبدیل کرائے اور اسے مسلمان بنائے، قرآن مجید نے صاف اعلان کردیا ہے :

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔(۱)

دین میں کوئی جبر اور زبردستی نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ فطری طور پر اس بات کے لئے بے قرار رہتے تھے کہ مکہ کے لوگ اسلام قبول کرلیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا :

اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۔(۲)

کیا آپ لوگوں کو اس بات پر مجبور کردیں گے کہ وہ مسلمان ہوجائیں۔

اسی لئے اسلام کی جو کچھ اشاعت ہوئی ہے، وہ محبت اور اخلاق کے ذریعہ اور اسلامی تعلیمات کی کشش کی وجہ سے ہوئی ہے، آپ ﷺ نے تیرہ سال مکہ میں دعوت دی، اس وقت مسلمان اس حال میں تھے کہ وہ کھلے عام نماز بھی نہیں پڑھ سکتے تھے، وہ اعلانیہ طور پر قرآن کی تلاوت کرنے سے بھی قاصر تھے، انھیں مجبور ہوکر دو دفعہ مکہ چھوڑ کر حبش جانا پڑا اور پھر اپنے گھر بار سے محروم ہوکر مدینہ آنا پڑا، اس تیرہ سالہ زندگی میں مکہ کے کئی معزز لوگوں نے اسلام قبول کیا، جیسے: حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت حمزہؓ وغیرہ، کیا یہاں زور زبردستی سے لوگوں کو مسلمان بنایا جاسکتا تھا؟

مدینہ کے لوگوں نے خود مکہ پہنچ کر اور اہل مکہ سے چھپ چھپا کر اسلام قبول کیا، پھر ان کی

(۱) البقرۃ:۲۵۶۔　(۲) یونس:۹۹۔

دعوت پر مسلمان مدینہ آئے، اس وقت ان کے پاس نہ رہنے کو گھر تھا نہ کمانے کے لئے کوئی ذریعہ معاش، کیا یہ دوسروں کو زورزبردستی سے مسلمان بناسکتے تھے، مدینہ میں یہودیوں کے تین قبائل تھے، یہ تینوں اخیر تک یہودیت پر قائم رہے، اگر آپ چاہتے تو مسلمانوں کی اکثریت کا سہارا لے کر ان پر زورزبردستی کر سکتے تھے؛ لیکن آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا اور ان میں سے چند ہی لوگ تھے، جو مسلمان ہوئے۔

پھر دنیا کے نقشہ پر نظر ڈال کر دیکھیں تو اسپین میں آٹھ سو سال مسلمانوں کی حکومت رہی؛ لیکن پھر بھی وہ عیسائی اکثریت ملک رہا، انڈونیشیا مسلمانوں کا سب سے بڑا ملک ہے، اسی طرح ملیشیا ایک بڑا مسلم اکثریت ملک ہے، افریقہ کے مشرقی ساحل پر بیشتر مسلم ممالک ہیں، یہ سب وہ علاقے ہیں، جہاں کبھی مسلمانوں کی فوج داخل نہیں ہوئی؛ بلکہ مسلمان سیاحوں اور تاجروں کی دعوت پر اور ان کی زندگی کو دیکھ کر وہاں کے لوگوں نے اپنے طور پر اسلام قبول کیا، اسی طرح ہندوستان میں مختلف مسلمان خاندانوں نے تقریباً ایک ہزار سال تک حکومت کی ہے اور بعض چھوٹی مسلم ریاستوں کو شامل کرلیا جائے تو ۱۹۴۸ء میں ہندوستان کے ساتھ ضم ہونے تک تو تقریباً بارہ سو سال ان کی حکومت کی مدت ہوتی ہے، اگر مسلمان زورزبردستی سے لوگوں کو اسلام قبول کراتے تو یقیناً وہ آج اقلیت میں نہ ہوتے، اس کا سبب یہی ہے کہ مسلمانوں کو خود ان کے دین نے اس بات سے منع کیا ہے کہ مذہب کے معاملہ میں جبر وتشدد سے کام لیا جائے؛ چنانچہ وہ ہمیشہ اپنے مذہب کی اس تعلیم پر قائم رہے، اور محبت کے ساتھ لوگوں کے سامنے اسلام کی تعلیمات پیش کیں۔

● ● ●